© rasailojaraid.com

دینی مدارس کی افادیت واہمیت

شمس الحق ندوی

یہی ہوتا آیا ہے، مخلصین اور دین ملت کے لئے تڑپنے اور بے کل رہنے والوں اور اس کی فکر میں جلنے، پگھلنے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر بارگاہ خداوندی میں آہ وزاری کرنے والوں کی تعداد کم ہی رہی ہے۔ انہی سے نورِ نبوت کی کرنیں پھوٹتی اور پھیلتی رہی ہیں اور دنیا میں پھیلے ہوئے ابلیسی نظام نے انہی مردان خدا کو اصل خطرہ جانا ہے، جو شکست کو فتح سے بدلنے، ہاری ہوئی بازی کو جیتنے اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو تیرانے کی اہلیت اور ہمت رکھتے ہیں، اقبال مرحوم نے اپنی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کی زبان سے اس حقیقت کو اس طرح ادا کیا ہے:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

ابلیس اپنے خیالات اور خدشات کا اظہار کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''میں جانتا ہوں کہ یہ امت قرآنی پروگرام کی حامل اور اس پر عامل نہیں، مال کی محبت، ذخیرہ اندوزی اور نفع رسانی کے بجائے نفع طلبی اور سرمایہ داری اس کا بھی مذہب بنتی چلی جارہی ہے، لیکن زمانے کے انقلابات اور مقتضیات سے مجھے خطرہ ہے کہ وہ کہیں اس امت کو بیداری کا سامان نہ بن جائیں۔'' (نقوش اقبال)

غور کیا جائے تو یہ صاف محسوس ہوگا کہ دین اسلام کے خلاف اٹھائے جانے والے ہر فتنہ کے بعد مسلم عوام میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور غیروں میں اسلامی تعلیمات پر غور وفکر اور معلومات وتجسس کا جذبہ کام کرنے لگتا ہے اور وہ اسلامیات کا مطالعہ کرنے لگتے ہیں اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی ٹوہ میں لگ جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں بہت سے خوش نصیب اسلام کی آغوش میں آجاتے ہیں اور یہ بات تقریباً دنیا کے تمام ملکوں میں پائی جارہی ہے، جس کو میڈیا نمایاں نہیں کرتا ہے، اس کو صرف کسی مسلمان کی معمولی بلکہ فرضی غلطی کو نمایاں کرکے پیش کرنے سے دلچسپی رہتی ہے، کیا یہ حقیقت جھٹلائی جاسکتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہی اندلس جہاں اقبال مرحوم نے بڑے درد سے کہا تھا: ''آہ! کہ صدیوں سے ہے تیری زمیں بے اذاں''
اب اسی اندلس میں اذان بھی ہونے لگی ہے، وہاں پہنچنے والے مسلمان جمعہ اور جماعت کا بھی نظام قائم کرنے لگے ہیں، امریکا جہاں سے سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کیئے جاتے ہیں، وہاں اس کے نتیجے میں اسلام کے بارے میں معلومات کے جذبات ابھرتے ہیں، پھر اس کا مطالعہ اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد بہت سے خوش نصیب ایمان لاتے ہیں۔

اس میں ہمارے ان مدارس و مکاتب کا بڑا دخل ہے، جن پر تنقید ہوتی رہتی ہے، ان مدارس کو چلانے والے مخلصین اور بہی خواہانِ دین وملت تنکے تنکے جمع کر کے اس ماحول میں جہاں تعلیم مہنگی سے مہنگی ہوتی جارہی ہے، طلبا کے لئے نہ صرف یہ کہ مفت تعلیم کا انتظام کرتے ہیں، بلکہ نادار طلبا کے کھانے کا بھی انتظام کرتے ہیں اور خاص حالات میں ان کی دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہیں، کتابیں تک مفت مہیا کی جاتی ہیں، پھر انہی طلبا میں سے اچھی خاصی تعداد ایسی نکلتی ہے، جو دعوت واصلاح کے کام میں لگ جاتے ہیں، ایک معتدبہ تعداد مدارس میں تعلیم وتربیت کا کام انجام دیتی ہے، ان میں وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنے علاقہ کی بنجر زمین میں عقیدۂ توحید اور دین وایمان کا بیج بوتے ہیں، ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسرے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پہنچ کر اسلامی شناخت کو باقی رکھنے میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں، اگر ان کی ظاہری وضع قطع میں اہل دین کی نظروں میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے دلوں میں دینی جذبات واحساسات موجزن رہتے ہیں، ان میں وہ جواں مرد بھی ہوتے ہیں جو دوسرے ملکوں میں دین وایمان کی قندیل روشن کرتے ہیں، اسلام کا تعارف کراتے ہیں۔

کم سے کم درجہ ہوتا ہے کہ مدارس میں آنے والے کا ایمان وعقیدہ محفوظ ہوجاتا ہے جو عمر کے کسی دور میں شعلۂ جوالہ بن کر بھڑک اٹھتا ہے، ایسا بہت کم ہوتا ہے بلکہ شاذونادر یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ کوئی جدید افکار ونظریات کا شکار ہو کر الحاد ودہریت کی راہ اپنالے۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات میں جو صاحبان اپنے خیالات ومشوروں سے اہل مدارس کو نوازنے کی فکر پیش کرتے ہیں، یا یہ کہوں کہ نوجوانانِ ملت کے بارے میں اپنی فکر وہمدردی کا اظہار کرتے ہیں، ہمیں ان سے کوئی شکایت نہیں، اس لئے کہ یہ انسانی فطرت ہے، وہ جس ماحول میں رہتا ہے، اسی دائرہ میں اس کا علم وفکر بھی اپنا کام کرتا ہے اور اسی کا اظہار کرتا ہے۔ مدارس کی افادیت واہمیت کو وہی بندگانِ خدا زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں جو اپنے خونِ جگر سے پوری انسانیت کو زندگی کا صحیح رُخ دینا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں جو انصاف پسند اہل علم حضرات اسلام کی تاریخ اصلاح و دعوت اور تجدید دین کی جانفشانیوں کا مطالعہ کریں گے، ان کو صاف معلوم ہوگا کہ روئے زمین پر اس وقت انسانیت کا جو بچا کھچا سرمایہ نظر آرہا ہے، وہ انہیں حضرات کا کارنامہ ہے، ورنہ تاریخ اسلام میں جو انقلابات آئے ہیں، وہ اس کی رہی سہی طاقت ختم کردیتے اور اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح تحریف وغلو کا شکار ہو چکا ہوتا، ہم زیادہ تفصیل میں نہ جا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ دورِ اکبری میں اگر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت نے اپنا حکیمانہ رول ادا نہ کیا ہوتا تو آج یہاں اسلام کا کیا حال ہوتا، پھر اس سرمایہ کی حفاظت خانوادہ وسلسلہ ولی اللّٰہی نے جس طرح کی، اس سے کون انصاف پسند صاحب علم انکار کر سکتا ہے اور یہی سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ایک اور پہلو سے غور فرمایا جائے کہ اسلام صرف مسجد اور اوراد واذکار تک محدود نہیں ہے، اس لیے زندگی کے دوسرے شعبوں میں پیدائش سے لے کر موت کے مسائل میں راہنمائی کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد، خرید وفروخت، گھریلو مسائل، اولاد کی تعلیم وتربیت، ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرنے، نمازیوں کی امامت اور ان کو روزمرہ کے مسائل سے کون واقف کراتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کیا قومی نام کے علاوہ مسلمانوں میں کوئی اسلامی بات پائی جا سکتی ہے، جو اصل مقصد زندگی ہے۔

انہی حقائق کے پیش نظر علامہ اقبالؒ اپنے اشعار میں اہل مدارس وموجودہ دانشوروں کی طرح مشورہ دینے اور ان میں مزید زندگی پیدا کرنے، زور دینے کے باوجود ایک مرحلہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ''ان مدارس کو کچھ نہ کہو، اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو ہندوستان اندلس بن چکا ہوتا۔''

خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو ان دینی مدارس ومکاتب کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، ہم اگر دینی زبان وپیمانہ کی روشنی میں ان حضرات کے اس انفاق فی سبیل اللہ کے اخروی اجر وثواب کے ذخیرہ کا حساب لگانا چاہیں تو بڑے سے بڑا ریاضی داں اس کا حساب نہیں لگا سکتا ہے، جس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿مثل الذین ینفقون فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مئة حبة واللہ یضاعف لمن یشاء﴾

''جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (ان کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے، جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں، خدا جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔''

اہل مدارس جدید علوم وفنون اور زندگی کے جائز ودرست اسباب ووسائل کے اپنانے کی نفی نہیں کرتے کہ خود دین اسلام اس کی تعلیم دیتا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

مدارس اور علماء کا منصب یہی ہے کہ وہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں رہنے والے مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کریں کہ وہ جاہ ومنصب اور کاروبار کے اندر مال کی فراوانی میں پڑ کر خدا فراموشی کا شکار ہو کر ابدی زندگی سے غافل نہ ہو جائیں، جس کا انجام نہایت بھیانک ہے، یہ بہت فکر کی بات ہے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کا ایک بڑا طبقہ اپنی ساری صلاحیتوں، علوم وافکار اور حصولِ زر کی فکر میں اتنا ڈوب جاتا ہے کہ روح وقلب کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتا، جو حاصل زندگی ہے۔ جگر مرحوم کی زبان:

نہیں جاتی کہاں تک فکر انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com